مگر سواری کے اختتام پر کچھ نہیں کہا جاتا کیوں ؟ صرف اس لئے ناکہ اس موقع پر کوئی خاص دعا یا ذکر کی تعلیم شارع نے نہیں دی ۔

الغرض، کتاب و سنّت کی تعلیم یہ ہے کہ جو عمل ہمیں بتایا گیا ہو اس کو بالکل اُسی طرح بجا لائیں اس میں کوئی اضافہ نہ کریں ۔ نہ اس کے شروع میں نہ آخر میں ۔ ورنہ ہم آیت فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (النور - ۶۳) ترجمہ : "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا اُن پر کوئی عذاب نازل ہو جائے" کی وعید سے نہیں بچ سکتے ۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ !!!

بقیہ : ہدایت القرآن

(۲) وہ والدین جن کے حصّے اگرچہ مقرر ہیں، لیکن ان کو مدد کی زیادہ ضرورت ہے ۔

(۳) وہ رشتہ دار جن کے حصّے مقرر نہیں ہیں لیکن ان کو مدد کی زیادہ ضرورت ہے ۔ اور اندیشہ ہے کہ تقسیم کے وقت ان کا لحاظ نہ کیا جائے گا ۔ ان سب لوگوں کے لیے چونکہ وصیت ہے اس بنا ء پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آیت میں وصیت کا حکم حصّہ مقرر کرنے سے پہلے کے لیے تھا، اب اسکی بالکلیہ ضرورت نہیں ہے ۔ اسی طرح یہ حکم تہائی مال کے اندر رہے، اس سے زیادہ میں نہیں ہے ۔

لہ یہ اصلاح وصیت میں ردّ و بدل کرنا نہیں ہے، بلکہ حق تلفی و جانب داری کی اصلاح ہے، جس کی اجازت ہے ۔

"جنّت کا شجرِ ممنوعہ"

معین قریشی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی کے جواب میں مُدیرِ تکبیر محمد صلاح الدّین کی توضیحات

ماہنامہ "حکمتِ قرآن" کے ستمبر ۱۹۸۹ء کے شمارے میں شیخ محمد معین قریشی صاحب کا ایک طویل خط اور اسی سلسلہ میں یاد دہانی کے دو خطوط شائع ہوئے ہیں، جو انہوں نے میرے نام لکھے اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو پاکستان نیشنل ورکرز فیڈریشن کی ایک تقریب میں میری تقریر سے متعلق چند سوالات کا جواب نہ پا کر انہوں نے یہ خطوط ۱۰ ماہ کے بعد ماہنامہ "حکمت قرآن" کو اشاعت کے لئے بھیج دیئے۔

میری نظر سے یہ شمارہ ۱۴ ستمبر کو گزرا، ۱۵ ستمبر کو میں نے ٹیلی فون پر "حکمت قرآن" کے دفتر سے رابطہ قائم کیا۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، ڈاکٹر ابصار احمد صاحب اور حافظ عاکف سعید صاحب میں سے کوئی بھی اتفاق سے وہاں موجود نہ تھا۔ ایک معاون کو (جن کا نام میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہا) یہ اطلاع دی کہ میں آج ہی ایک خط ارسال کر رہا ہوں، پہلے اسے شائع کر دیجئے۔ پھر تفصیلی جواب بھیجوں گا، اگر یہ خط بھی آپ کو تاخیر سے ملے تو صرف یہ مختصر اعلان شائع کر دیجئے کہ "مدیر تکبیر محمد صلاح الدین کی جانب سے شیخ محمد معین قریشی کے خطوط کا جواب آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔" یہ اعلان ٹیلی فون ہی پر لکھوا دیا گیا اور مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ شائع ہو جائے گا۔

یکم نومبر کو مجھے اکتوبر کا شمارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اعلان اور خط دونوں ہی غائب تھے۔ فون پر حافظ عاکف سعید صاحب سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا گذشتہ پیغام بھی تاخیر سے ملا، پرچہ پریس جانے کے لئے تیار تھا، اس لئے اعلان بھی

شامل اشاعت نہ ہوسکا۔ میں نے دریافت کیا کہ اب نومبر کے شمارے کی تیاری کس مرحلے میں ہے تو انہوں نے بتایا کہ پرچہ تقریبًا تیار ہے' آپ کچھ بھیجنا چاہیں تو انتہائی اختصار کے ساتھ بھیجیں - بصورت دیگر آپ کا مضمون نومبر کی بجائے دسمبر کے شمارے میں شائع ہو سکے گا-

میری مشکل یہ ہے کہ ۸ صفحات پر مشتمل خطوط اور ان میں اٹھائے گئے سوالات تو جناب معین قریش صاحب ہی کے پیش کردہ تھے کہ اکتوبر کے شمارے میں مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کے اضافی مضمون کا ردّہ اس پر مزید چڑھ گیا ہے۔ مولانا محترم نے 'جو میرے پرانے کرم فرماہیں' میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اور وہ سب کچھ درست سمجھتے ہوئے جو معین قریشی صاحب نے مجھ سے منسوب کیا ہے ایک پورا مضمون لکھ ڈالا اور میرا موقف یا بیان صفائی دیکھے بغیر نہ صرف خود تنقید و تبصرہ کا حق ادا فرمایا ہے بلکہ علمائے پاکستان کو بھی دعوت دے ڈالی ہے کہ وہ میری "تفسیر بالرائے" پر اپنا فتوٰی صادر فرمائیں - میں اس "عالمانہ" طرز عمل پر کیا تبصرہ کروں؟

مجھے اعتراف ہے کہ یہ ساری صورت حال میری جانب سے وضاحت میں تاخیر کی بناء پر ہوئی لیکن سببِ تاخیر کو لازمًا گریز اور فرار پر محمول کرنا بھی تو صریح زیادتی ہے - اس کے ہزار اسبابِ ہو سکتے ہیں - سب سے بڑا سبب میری شدید مصروفیات' مسلسل سفر' انتخابات کی گہما گہمی اور نت نئے مقدمات کی بھرمار کے علاوہ وفاقی شرعی عدالت میں دائر کردہ خود میرا مقدمہ تھا - ان مصروفیات کے باوجود میں نے ایک مختصر سے خط کے ذریعہ جناب معین قریشی کو مطلع کر دیا تھا کہ مجھے اپنی تقریر کے سلسلے میں ایک تفسیر کا حوالہ تلاش کرنا ہے - اس کی مہلت ملتے ہی انشاء اللہ آپ کو مفصل جواب لکھوں گا - افسوس کہ اس چند سطری خط کی نقل میرے پاس موجود نہیں کیونکہ وہ تیار ہی نہیں کی گئی تھی' لیکن میرے مدیر منتظم جناب ثروت جمال اصمعی صاحب نے چونکہ اسے پڑھا تھا اس لئے وہ اس کے عینی گواہ ہیں - اس خط کی اطلاع میں نے تقریب کے مہتمم جناب خلیل الرحمٰن صاحب کو بھی دے دی تھی' اس لئے وہ بھی اس کی تصدیق کر سکتے ہیں - ان کے ذریعہ معین قریشی

صاحب کی طرف سے تقاضے اور میری جانب سے مہلت طلبی کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے اس لئے وہ اس صورت حال کی وضاحت بخوبی کر سکتے ہیں۔

اس پس منظر کے بعد اب انتہائی اختصار کے ساتھ بنیادی سوالات کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

۱۔ میں نے اپنی تقریر میں شجرِ ممنوعہ کا ذکر کرتے ہوئے کوئی حتمی رائے ظاہر نہیں کی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ "بعض مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو جس درخت کے قریب نہ جانے کی ہدایت کی گئی تھی اس کے پھل میں نشہ تھا۔" میں نے خلیل الرحمٰن صاحب سے تقریر کا ٹیپ بھی حاصل کر لیا ہے، لیکن اس میں ابتدائی حصہ کسی فنی خرابی کے باعث ٹیپ نہیں ہو سکا۔ حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور اصحابِ صفہ سے متعلق تقریر کا حصہ ٹیپ میں موجود ہے اور معین قریشی صاحب اس سے اپنی عبارت کا موازنہ کر کے خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے حافظہ اور فہم و ادراک نے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ شجر ممنوعہ کے بارے میں "بعض مفسرین" کا حوالہ صدر تقریب قطب الدین عزیز صاحب اور تقریب کے مہتمم خلیل الرحمٰن صاحب کے علاوہ درجنوں حاضرین کے حافظے میں محفوظ ہے۔ یہ میری اپنی رائے ہوتی یا اور "ایجادِ بندہ" کے ضمن میں آتی تو یقیناً معین قریشی صاحب اور مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کو طنز و استہزاء کے تیر برسانے کا پورا حق حاصل ہوتا اور علماء کرام بھی میرے گردن زدنی ہونے کے فتوے صادر کر سکتے تھے۔ ان دونوں حضرات سے اور قارئین "حکمت قرآن" سے میری درخواست ہے کہ وہ تفسیر قرطبی جلد اول صفحہ ۳۰۵ مطبوعہ دارالقلم، قاہرہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۵ (شجر ممنوعہ) کی تشریح میں مختلف مفسرین کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔ ان مفسرین میں سے کسی نے اس درخت کو انگور کا، کسی نے سنبل کا، کسی نے انجیر کا، کسی نے گندم کا اور کسی نے زیتون کا بتایا ہے اور یہ رائے بھی موجود ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں، جو کچھ کہا جاتا ہے، تخمین و ظن ہے۔ ساتویں صدی ہجری کے مفسر عبدالحفیظ عبدالحق ابن عطیہ اندلسی کا کہنا ہے کہ "بس یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ آدم کو اللہ نے ایک درخت سے منع کیا تھا، انہوں نے نافرمانی کی اور اس کا پھل

کھالیا جس کی انہیں سزا ملی"- قرطبی نے سلسلہ وار جن مفسرین کی آراء درج کی ہیں ان میں پہلی یہ ہے:

"حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (صحابی) حضرت سعید ابن جبیر (تابعی) اور جعدہ ابن جبیرہ (تابعی) کا قول ہے کہ یہ درخت انگور کا تھا اور اسی لئے ہم پر شراب (خمر) حرام کی گئی ہے"-

میرا اشارہ انہی مفسرین اور انہی آراء کی جانب تھا- اسے خود مجھ سے کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے؟

جناب معین قریشی نے اپنے خط میں چار امور کی سند طلب کی ہے-

۱ - درخت میں نشے کی خاصیت تھی-

۲ - خداوند تعالیٰ کی طرف سے انسان کو سب سے پہلی ہدایت نشے سے پرہیز کے بارے میں دی گئی تھی-

۳ - آدم کی برہنگی فحاشی کا نتیجہ تھی جو درخت کا پھل چکھنے سے ان پر طاری ہو گئی تھی-

۴ - خداوند قدوس نے آدم کو دنیا میں بھیجتے وقت منشیات سے پرہیز کی تلقین کی تھی-

ان سوالات کا جواب دینے سے قبل میں معین قریشی صاحب اور قارئین "حکمت قرآن" کو سورۃ الاعراف آیت ۱۹ تا ۲۷ اور سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۵ تا ۱۲۲ کا بغور مطالعہ کرنے کا مشورہ دوں گا- تفہیم القرآن میں آیات کے تراجم یہ ہیں-

۱- "اور اے آدم' تو اور تیری بیوی' دونوں اس جنت میں رہو' جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ' مگر اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے -

پھر شیطان نے ان کو بہکایا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے - اس نے ان سے کہا "تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ' یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے" - اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں - اس طرح دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا - آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزہ

چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے - تب ان کے رب نے انہیں پکارا " کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ؟ " دونوں بول اٹھے " اے رب ' ہم نے اپنے اوپر ستم کیا ' اب اگر تو نے ہم سے در گزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے " - فرمایا ' " اتر جاؤ ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے " - اور فرمایا " وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخر کار نکالا جائے گا -

اے اولادِ آدم ' ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکنے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو ' اور بہترین لباس تقوٰی کا لباس ہے - یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ' شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں - اے بنی آدم ' ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے - وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے - ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے " -

۲- " ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک حکم دیا تھا ' مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا - یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو - وہ سب تو سجدہ کر گئے ' مگر ایک ابلیس تھا کہ انکار کر بیٹھا - اس پر ہم نے آدم سے کہا کہ " دیکھو ' یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ' ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ - یہاں تو تمہیں یہ آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ بھوکے ننگے رہتے ہو ' نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے " - لیکن شیطان نے اس کو پھسلایا ' کہنے لگا " آدم ' بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے ؟ " آخر کار دونوں (میاں بیوی) اس درخت کا پھل کھا گئے - نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً ہی ان کے ستر ایک دوسرے کے آگے کھل

گئے اور لگے دونوں اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے - آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گیا- پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کر لی - اور اسے ہدایت بخشی"-

ان آیات کے مطالعے سے جو حقائق واضح ہوتے ہیں وہ یہ ہیں -

۱- درخت میں نشے کی خاصیت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا- اس سلسلہ میں بعض مفسرین کی آراء کا حوالہ دیا جا چکا ہے - لیکن ان آیات میں یہ بات واضح ہے کہ " آدمؑ اور حوّا نے درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے" - اللہ تعالی کی سنت یہ رہی ہے کہ اس نے اشیاء کو حلال و حرام' جائز و ناجائز اور مباح و ممنوع' ان کی صفات اور انسان کے لئے ان کے نفع و ضرر ہی کی بنیاد پر ٹھہرایا ہے۔ اس سنت اللہ کی روشنی میں یہ قیاس خلافِ عقل و ایمان نہیں ہے کہ اس ممنوعہ درخت میں کوئی ایسی خاصیت ہو گی کہ اس کا پھل کھاتے ہی انسان پر ایسی کیفیت طاری ہو جائے کہ وہ بے لباس ہو جائے اور پھر احساسِ برہنگی کے تحت اپنے جسم کو ڈھانپنے لگے - آدمؑ کی زندگی سے اسباب و علل کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی انسانی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے اس واقعہ کو اسی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے - معین قریشی صاحب کا یہ فقرہ کہ " کیا خوب! آدم کو نشئی ثابت کر دیا" میرے نزدیک بہت گستاخانہ اور افسوسناک حرکت ہے -

نشئی ہونے کا مطلب نشے کا عادی ہونا یعنی فعلِ نشہ کا بار بار ارتکاب کرنا ہے - حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا جس کیفیت سے گزرے وہ ایک لغزش یا سہو کے ضمن میں آتا ہے - اس کا احساس ہوتے ہی انہوں نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا والی مغفرت کی دعا مانگی' اپنے رب کے حضور گڑگڑائے اور پھر ان کی زندگی میں ایسی لغزش کا کہیں کوئی شائبہ نظر نہیں آتا - آدمؑ کی سرشت میں خطا کا امکان رکھا گیا تھا اور پھر ترکِ خطا کی توفیق بھی انہیں عطا کی گئی تھی - عصمتِ انبیاء کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ان کی بشریت سے خطا کا امکان ساقط کر دیا جاتا ہے بلکہ یہ عصمت وحی کے ذریعۂ علم و ہدایت کی حفاظت و ضمانت پر مبنی ہوتی ہے - کوئی خطا سہوًا سرزد ہو جائے

یا اس کا امکان پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کبھی مغفرت کے ذریعہ اور کبھی بذریعہ وحی بر وقت مطلع کر کے اس کا تدارک فرما دیتا ہے - حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا' ان کے رب نے ان کی مغفرت فرما دی - اب کیا ہم انہیں "قاتل" کہہ کر پکاریں گے ؟ حضورؐ اکرم ایک مقدمہ کا فیصلہ یہودی کے خلاف اور مسلمان کے حق میں کرنے والے تھے کہ وحی کے ذریعہ ان پر حقیقت کھول دی گئی اور وہ غلط فیصلے سے بچا لئے گئے' واقعہ افک اور جنگ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں بھی اللہ نے وحی کے ذریعہ اپنے نبیؐ کی رہنمائی فرمائی اور حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کی جانب سے متوجہ ہونے کی ضرورت و اہمیت آپ پر واضح کی۔ نبی وحی کے تحفظ کی بناء پر معصوم عن الخطاء ہے - اپنی بشریت کے باعث وہ امکانِ خطا رکھتا ہے لیکن اس کی خطا کی فوری اصلاح بذریعہ وحی کر دی جاتی ہے - اس کی کوئی خطا' لغزش یا سہو اس کی ذات کے ساتھ چند لمحوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے - اپنی اسی صفت توبہ و استغفار کے باعث انسان فرشتوں سے بہتر ہے جو نہ امکانِ خطا رکھتے ہیں نہ اختیارِ اصلاح' ان کی نیکی جبلی ہے' جب کہ انسان کی نیکی ارادہ و اختیار کے تابع اور نبی کا کردار وحی کی زیرِ ہدایت و حفاظت -

حضرت آدمؑ پر گزرنے والی کیفیت کو ہم کوئی نام دیں' وہ بہر حال ایک لغزش تھی اور ان کی توبہ اور خدا کی طرف سے ان کی مغفرت کے بعد وہ معصوم ہیں۔ ان پر "بشنی" جیسی پھبتی کسنا نہایت افسوسناک جسارت ہے -

۲- پہلی ہدایت درخت کے پاس نہ جانے کی دی گئی تھی اور اس کی خلاف ورزی کا جو نتیجہ سامنے آیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ مومن کو "غافل" نہیں دیکھنا چاہتا - یہاں غفلت کو اگر محض حکم عدولی کے معنی ہی میں لیا جائے تب بھی اس کی عملی صورت یہی بنی کہ ایک ممنوعہ درخت کا ایسا پھل کھا لیا گیا جس نے حالتِ برہنگی پر پہنچا دیا' یہ پھل نہ کھایا جاتا تو صورت یقیناً مختلف ہوتی - اسے "اطاعت" کا نام دیجئے یا "پرہیز" کا' نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے -

۳- برہنگی اور فحاشی میں کیا تعلق ہے اس کا جواب مذکورہ آیات میں تفصیل سے موجود ہے - کسی اضافے کی ضرورت نہیں - قرآن نے جنت سے اپنے کام کا

آغاز کرنے والے شیطان کا بنیادی کام فحاشی پھیلانا ہی بتایا ہے - ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ آیت ۲۶۸ اور سورۃ النور آیت ۲۱ وغیرہ

لیکن خدارا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کر لیجئے گا کہ میں معاذ اللہ حضرت آدمؑ پر "فحاشی" پھیلانے کا الزام لگا رہا ہوں - ان کی برہنگی اور توبہ کا ذکر آیات میں وضاحت سے موجود ہے اور شیطان کا یہ مشن بھی اس کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ وہ فحاشی پھیلانا چاہتا ہے - حضرت آدمؑ پر حملہ آور ہوا' مگر اللہ نے انہیں بچالیا اور توبہ کی توفیق بخشی جبکہ شیطان کا مشن قیامت تک جاری رہے گا اور وہ برہنگی ہی کے ذریعہ فحاشی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے -

۴ - "اے بنی آدم' ایسا نہ ہو..... سے لے کر.... شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے" تک کی عبارت غور سے دیکھئے - جس "فتنہ" کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے وہ وہی واقعہ ہے جو حضرت آدم اور حوا پر جنت میں گزر چکا ہے - اب بنی آدم اس دنیا میں ہے' جنت میں نہیں' پھر یہ فتنہ کہاں برپا ہو گا؟ یہاں کونسا "شجر ممنوعہ" ہے؟ یہاں بھی یہ اسی طرح برپا ہو گا' جیسے حکم خداوندی کی خلاف ورزی پر جنت میں برپا ہوا تھا- آج اگر حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی حدود کو توڑا جائے گا' ممنوع کو مباح بنایا جائے گا تو نتیجہ ویسا ہی نکلے گا- یہاں انسان پر وہ حالتِ برہنگی جو فحاشی کی زد میں آتی ہے بالعموم اسی وقت طاری ہوتی ہے' جب وہ نشہ کی حالت میں ہو' اسی لئے شریعت نے نشہ طاری کرنے اور حواس معطل کرنے والی تمام اشیاء کو ممنوع قرار دیا ہے- نشہ صرف آخری نبیؐ کی شریعت ہی میں نہیں' تمام انبیاءؑ کی لائی ہوئی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے- اللہ کی سنت کا تسلسل یہ باور کرنے کی گنجائش تو پیدا کرتا ہے کہ انسان کے ہوش و حواس قائم و برقرار رکھنے اور انہیں مختل یا معطل ہونے سے بچانے کے لئے اللہ نے جن چیزوں کا استعمال سب نبیوں کی شریعت میں ممنوع قرار دیا' ان کا علم حضرت آدمؑ کو بھی ضرور ہو گا' لیکن یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے) کی رو سے جب آدمؑ نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے ساری اشیاء کے نام اور ان کی صفات کا علم سیکھا' وہ منشیات کی مضرت رسانی اور ان سے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے خبر رہا ہو گا-

معین قریشی صاحب نے مزید تین امور کی وضاحت چاہی ہے۔
۱- حضورؐ نے سب سے پہلے محنت کشوں کو دعوتِ اسلام دی۔
۲- حضورؐ نے حضرت علیؓ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح اس لئے کیا کہ ایک محنت کش کو سوشل اسٹیٹس ملے۔
۳- اصحابِ صُفّہ محنت کش تھے۔

معین قریشی صاحب سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ میری تقریر کا موضوع "اسلام اور محنت کی عظمت" تھا۔ تاریخ کے واقعات کسی مخصوص موضوع کے تحت اور کسی خاص سیاق و سباق میں بیان کئے جائیں، تو ان کے بعض پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں، لیکن اس سے دوسرے پہلوؤں کی نفی نہیں ہوتی۔ مثلاً "حضورؐ اکرم، بحیثیت سپہ سالار" کے موضوع پر کوئی تحریر یا تقریر آپؐ کی سیرت کے اس پہلو کو بطور خاص اجاگر کرے تو دوسرے پہلوؤں کا پس منظر میں رہ جانا ان کی نفی کے مترادف نہیں ہوتا۔

۱- وہ بال کی کھال نکالنے کی بجائے اگر صاف ذہن سے مکی زندگی کا مطالعہ فرمائیں گے تو وہاں کفار اور مشرکین کی غلامی میں جکڑے ہوئے حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ رومی اور وہ دوسرے غلام جن کی گردنیں حضرت ابو بکرؓ نے اپنے مال سے چھڑائیں، حضورؐ کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے نظر آئیں گے، ان سب کا ذکر "محنت کشوں" کے نام سے کرنا کون سی قابلِ گرفت بات ہے؟

۲- حضرت علیؓ کی پوری زندگی فقر و فاقہ اور محنت و مشقت کا عملی عنوان رکھتی ہے۔ حضورؐ بلاشبہ اپنی سب سے چہیتی بیٹی ان کے زہد و تقویٰ، ایمان میں سبقت اور قرابت داری کی وجہ سے ان کے نکاح میں دیتے ہیں، لیکن محنت کشوں کے کسی اجتماع میں اس "محنت کش" کی مثال پیش کرتے ہوئے اگر یہ بتایا جائے کہ اللہ کے رسولؐ کی نظر میں اس کے پیشے اور ذریعۂ معاش کی کیا قدر و قیمت تھی۔ حضرت علیؓ کی عسرت و تنگدستی اور محنت کشی نبیؐ کے ساتھ عظیم نسبت اور رشتے میں مانع نہ ہوئی۔ اور اس نے کس طرح انہیں شرفِ دامادی عطا کر کے ایک اونچا سوشل اسٹیٹس بھی دے دیا تو اس میں کون سی بات خلافِ واقعہ یا تاریخی اعتبار سے غلط یا

گمراہ کن ہو گئی؟ اس کی ایک اور مثال حضرت موسیٰؑ کا حضرت شعیبؑ کی بیٹی سے نکاح ہے - یہ محنت کی عظمت کی مثالیں ہیں - آخر اس پہلو پر توجہ دلانے میں قباحت کیا ہے؟

۳- اصحابِ صفّہ محنت کش تھے یا نہیں، اس کی تحقیق کے لئے معین قریشی صاحب کسی مستند کتاب کا مطالعہ فرمائیں یا طالب ہاشمی صاحب کی اسی موضوع پر کتاب پڑھ لیں تو وہاں تفصیل سے اس کا جواب مل جائے گا - ان کا یہ استدلال خوب ہے کہ "یونیورسٹی میں طلبہ ہوتے ہیں نہ کہ محنت کش۔" آج امریکہ، برطانیہ اور یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں نصف سے زائد طلبہ، طلبہ بھی ہوتے ہیں اور محنت کش بھی، کیا یہ کوئی اجتماعِ ضدّین والا معاملہ ہے؟ وہ خود ہی مولانا شبلی کے حوالہ سے بتاتے ہیں کہ "ان میں سے ایک ٹولی دن کو جنگل میں لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ باچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی۔" میں حیران ہوں کہ اصحابِ صفّہ کو محنت کش قرار دینا ان کے ساتھ زیادتی کیسے ہو گئی - میں تو خود ان کا پیرو کار رہا ہوں اور اس نسبت پر ہمیشہ فخر محسوس کرتا رہا ہوں - ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۸ء تک پورے دس سال دن بھر محنت مزدوری کرنا اور رات کو پڑھنا میرا معمول رہا ہے اگر مجھ جیسے ناکارہ اور بے ہمت آدمی میں محنت کشی اور طالب علمی کے درمیان کوئی رشتہ قائم رہ سکتا ہے تو دربارِ رسالت کے ان عظیم پروانوں کو اس میں کیا دشواری پیش آ سکتی ہے؟

شیخ محمد معین قریشی صاحب خاصے پڑھے لکھے اور مہذّب و شائستہ انسان ہیں۔ مجھے نہیں معلوم انہیں اپنے سوالات کے لئے طنز و تضحیک کا پیرایۂ اظہار اختیار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی - ان کا محرک اگر واقعی علمی جستجو ہے تو میں توقع رکھتا ہوں کہ میری یہ وضاحت ان کی تشفی کے لئے کافی ہو گی - انہیں مزید کوئی وضاحت مطلوب ہو تو وہ کراچی میں مقیم ہیں، مجھ سے تبادلۂ خیال فرما سکتے ہیں۔ مجھ پر تحریری کام کا اتنا بوجھ ہے کہ میں اس نوعیت کی بحثوں کا سلسلہ دراز کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے مجھ پر تفسیر بالرائے کا الزام عائد کرنے